ضروری ہے۔ لیکن اس مشورے کو قبول کرنے کا پابند نہیں۔

ہمارے خیال میں جس طرح سربراہِ مملکت عدلیہ کے جج منتخب کرتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح اسے اپنی شوریٰ تشکیل دینی چاہیے۔ اس مقصد کے لیے سب سے پہلے صرف ایک نہایت متقی اور عالم شخص کا انتخاب کرنا چاہیے پھر صدر اس کے مشورے سے حسب ضرورت جتنے افراد مجلس شوریٰ میں شامل کرنا چاہتا ہے منتخب کرے۔ اس مجلس شوریٰ میں ماہرینِ فن بھی حسب ضرورت شامل کیے جاسکتے ہیں۔ جو کہ کم از کم مسلمانی کی شرط ضرور پوری کرتے ہوں۔

موجودہ جمہوری نظامِ حکومت میں عدلیہ اور انتظامیہ کے بڑے بڑے عہدوں کا تقرر خود صدر مملکت کرتا ہے لیکن مقننہ حق بالغ رائے دہی (بشمول خواتین) کی بنیاد پر نیز ووٹ کی برابر قیمت تصور کرتے ہوئے ۔ کثرت رائے کے اصول پر عوام منتخب کرتے ہیں۔ لیکن نظامِ خلافت میں ان تینوں شعبوں کے اولی الامر خلیفہ کی مرضی کے مطابق مقرر کیے جاتے ہیں۔ امیر متعلقہ افراد سے مشورہ کرنے کا پابند ضرور ہے مگر اسے قبول کرنے کا پابند نہیں البتہ نظامِ خلافت میں کسی خاص علاقہ کے لوگ ولی امر انتخاب کر کے اس کی سفارش کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اہل علاقہ کی شکایت پر کسی حاکم کو معزول بھی کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ یہ سفارش یا شکایت صحیح معیار پر پوری اترتی ہو۔

۷۔ ربطِ ملّت کے تقاضے

اور نظامِ خلافت کی طرف پیش رفت

ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ دینِ اسلام اپنے پیروکاروں سے اتفاق و اتحاد کا تقاضا کرتا ہے اور اس میں تفرقہ و انتشار کو کفر کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ ملی وحدت کے بقا کے سلسلہ میں ہم بہت سی آیات و احادیث درج کر چکے ہیں۔

اور یہ بھی بتلا چکے ہیں کہ ملتِ اسلامیہ کسی مخصوص علاقہ یا قوم یا نسل کی پابند نہیں ہوتی۔ آج کل ریاست کا تصور ۔ جس کا ایک لازمی عنصر علاقہ بھی ہوتا ہے ۔ اسلام میں مفقود ہے۔ کیونکہ یہ عالمگیریت کا متقاضی ہے۔ اس کے احکام اللہ رب العالمین کے نازل کردہ ہیں جس کی نظر کسی ایک قوم یا علاقہ کے مفادات پر نہیں۔ بلکہ اس کی نظروں میں پوری دنیا کی یکساں فلاح و بہبود ہے۔ علامہ اقبال کے الفاظ میں ؎

عقلِ خود بیں غافل از بہبودِ غیر سودِ خود بیند نہ بیند سودِ غیر

وحی حق بینندۂ سود ہمہ　　در نگاہش سود و بہبود ہمہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف عرب کے لیے نہیں تمام دنیا کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ ارشاد باری ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (۳۴/۲۸)

اے رسول! ہم نے تجھے تمام عالم انسانیت کے لیے نذیر اور بشیر بنا کر بھیجا ہے۔

اور آپ کا لایا ہوا پیغام (قرآن کریم) بھی تمام دنیا کے لیے ہے جو ان الفاظ سے دنیا بھر کے لوگوں کو خطاب کرتا ہے۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ۔ (۴۵/۲۰)

یہ (قرآن) تمام لوگوں کے لیے دانائی کی باتیں ہیں۔

اسی طرح اس امت کا مرکز بھی دنیا بھر کے انسانوں کے لیے ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ (۳/۹۶)

پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لیے مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو مکہ میں ہے بابرکت اور جہان کے لئے موجب ہدایت ہے۔

اسی طرح امتِ مسلمہ کو، جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے مامور ہے، دنیا بھر کے انسانوں کے اعمال پر نگرانی کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ ارشاد باری ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (۳/۱۰۹)

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے بھیجی گئی۔ تم (لوگوں کو) نیکی کا حکم دیتے اور بری باتوں سے روکتے ہو۔

تفرقہ کی اقسام

یہ ہے ملت اسلامیہ کا صحیح تصور۔ ایسی ہی امت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشکیل فرمائی تھی۔ جس میں حبشی، رومی، فارسی، عربی سب ہم مرتبہ تھے۔ اگر کسی کو تفوق اور فضیلت تھی تو محض تقویٰ کی بنیاد پر تھی۔ لیکن آج اس امت میں وحدت نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ اور کئی قسم کے تفرقہ و انتشار کا شکار ہے۔ اس وحدت پر سب سے زیادہ کاری ضرب قوم و وطن کے موجودہ نظریہ نے لگائی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں بڑے واضح الفاظ میں فرمایا تھا۔

لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو

عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں ۔ برتری صرف تقویٰ کے سبب سے ہے ۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے ۔"

وطن کے اختلاف کی بنیاد پر جدا گانہ قوموں کی تشکیل یورپ کی پیدا کردہ لعنت ہے ۔ وطن پرستی اور قومیت پرستی آج کے سب سے بڑے معبود ہیں ، جنھوں نے مسلمانوں کو بیسیوں ممالک میں تقسیم کر کے ذلیل و خوار کیا اور تباہی و بربادی کے جہنم میں دھکیل دیا ہے ۔

دوسری لعنت کسی قوم ہیں ـــ ملت نہیں بلکہ قوم ہیں ـــ سیاسی پارٹیوں کا وجود ہے جو موجودہ جمہوریت کا عطا کردہ تحفہ ہے اور جس کے بغیر جمہوریت زندہ نہیں رہ سکتی ۔ اسی جمہوریت کو ہم سینہ سے لگائے ہوئے ہیں اور کسی قیمت پر اسے جدا کرنے پر آمادہ نہیں ۔ پاکستان میں موجودہ مارشل لاء کے نفاذ سے پیشتر ان کی تعداد ایک سو سے متجاوز کر گئی تھی ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں ملت کی وحدت کا تصور بھی ناممکن ہے ۔

تیسری لعنت ، وہ مذہبی فرقے ہیں جو اپنی الگ الگ فقہ کو سینے سے چمٹائے ہوئے ہیں اور اس بات پر مصر ہیں کہ :

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (۳۰/۳۲)

سب فرقے اسی سے خوش ہیں جو ان کے پاس ہے :۔

کے مصداق جو کچھ ان کے پاس ہے بس وہی ٹھیک ہے ۔ باقی سب غلط ہیں ۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن تو سب کا ایک ہے ۔ اور سنت بھی ایک ہے لیکن فقہ چار ہیں ۔ بلکہ اگر شیعہ حضرات کی فقہ جعفریہ بھی شامل کر لیں تو پانچ ہیں جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی فقہ دین کا حصہ نہیں ہے ۔ اور نہ ہی کسی ایک مخصوص فقہ پر اصرار کرنا واجب ہے اس سے دوسرا نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ اگر پہلے ۵ فقہ موجود ہیں تو اب موجودہ زمانہ کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے چھٹی فقہ بھی اگر مرتب کر لی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے ۔ اس کا دوسرا حل یہ بھی ہے کہ ایسے فروعی مسائل ، جن میں ہر فریق کے پاس ادلہ شرعیہ موجود ہوں ۔ جیسے حنفی ، شافعی وغیرہ کے مختلف فیہ مسائل) ان میں سے کسی ایک جانب کو اگر امیر یا خلیفہ متعین کر کے لوگوں کو اس پر عمل کرنے کا حکم دے تو ان کا فرض ہو گا کہ اس کا اتباع کریں اگرچہ بحیثیت حنفیت یا شافعیت اس کے مذہب کے خلاف ہو (اسلام میں شورہ کی اہمیت از مفتی محمد شفیع صاحب ص ۱۵۱)

ملکی تفریق اور اس کا حل موجودہ دور میں ربط ملت کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مسلم ممالک

کسی ایک ملک کے سربراہ کو ـــــ جو خلیفہ کے زیادہ سے زیادہ اوصاف سے متصف ہو ـــــ اپنا سربراہ تسلیم کرلیں۔ اور ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ سعادت سعودی عرب کے حصہ میں آنی چاہیے کیونکہ اتحاد بین المسلمین میں وہ پیش پیش ہونے کے علاوہ کافی ایثار سے کام لے رہا ہے۔ مسلمانوں کا بین الاقوامی مرکز بھی وہیں ہے اور دوسرے ممالک سے نسبتاً وہی زیادہ شریعت کے احکام کا پاسبان بھی ہے۔ اگر مسلمان ممالک کے سربراہ یا ان میں سے چند ایک بھی ایثار کی مثال پیش کرتے ہوئے اسے اپنا سربراہ تسلیم کرلیں تو ربط ملت کی داغ بیل پڑ سکتی ہے۔

گو موجودہ دور کی دو سپر طاقتوں ـــــ امریکہ اور روس ـــــ کی اسلام دشمنی اور معاندانہ سرگرمیوں نے مسلمان ممالک کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ اگر مسلمان زندہ رہنا چاہتا ہے تو اس کی صورت صرف ان کا آپس میں اتحاد و اتفاق ہے۔ تاہم مسلمانوں کی یہ سوچ ابھی مشترکہ تجارت اور مشترکہ دفاع وغیرہ جیسے مسائل تک محدود ہے۔ گو ایسا اتحاد بھی ایک نیک فال ہے۔ تاہم یہ ربط ملت اور ملی وحدت کے تقاضے پورے نہیں کرتا اور وہ صرف اس صورت میں پورے ہو سکتے ہیں جب کہ یہ اتحاد و اتفاق محض اللہ کی خوشنودی اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے ہو۔ دنیوی مفادات کی حیثیت اس میں ثانوی حیثیت رکھتی ہو۔

اگر مسلمان قوم کی خوش نصیبی اور اللہ کی مہربانی سے ایسے حالات پیدا ہو جائیں تو منسلکہ ممالک کے سربراہ ـــــ یا جنھیں وہ منتخب کریں شوریٰ کے ممبر قرار پائیں گے۔ شوریٰ کے ممبروں کے لیے علاقائی تقسیم مناسب نہ ہوگی بلکہ اہل شوریٰ کے اوصاف سے متصف افراد کسی ملک سے ایک سے زیادہ بھی منتخب کیے جا سکتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی ملک سے ایسا کوئی نمائندہ نہ جا سکے اور یہ سب کچھ اللہ کی رضامندی کے لیے ہونا چاہیے۔ بطور حق کے نہیں بلکہ بطور ذمہ داری ادائیگی کے یہ کام سرانجام دینے چاہئیں۔

اللہ کے فضل و کرم سے مسلمان ممالک کے پاس ہر طرح کے وافر وسائل موجود ہیں۔ کسی کے پاس دولت ہے۔ کسی کے پاس افرادی اور عسکری قوت تو کسی کے پاس سائنس اور ٹیکنالوجی کے معتدبہ وسائل موجود ہیں۔ اگر ایسا وفاق عمل میں آ جائے تو مسلمان قوم دنیا کی سپر طاقت بن کر اسلام کو سربلند کر کے یہ تقاضا پورا کر سکتی ہے۔

هُوَ الَّذِيٓ أَرْسَلَ رَسُولَهُۥ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُۥ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِۦ وَلَوْ كَرِهَ الْكَـٰفِرُونَ ۔ (۹/۳۳)

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اس دین کو (دنیا کے) تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ کافر ناخوش ہی ہوں۔

پاکستان آج کل جن حالات سے دوچار ہے اور جس سطح پر کھڑا ہے اس کے لیے تو اور بھی ضروری ہے کہ ایسے الحاق کی جلد از جلد کوشش کرے اور دوسرے ممالک کو اس کی زیادہ سے زیادہ ترغیب دے۔ اس سے پاکستان کے بیشتر مسائل بالخصوص نظام اسلامی کی ترویج۔ معاشی مسائل اور اسلام کی سربلندی۔ بطریق احسن حل ہو سکتے ہیں۔

سیاسی تفریق اور اس کا حل

ربط ملت کے لیے اندرون ملک کام کرنے کے یہ ہیں کہ مغربی طرزِ انتخاب کا سلسلہ یکسر بند کر دیا جائے۔ اور سیاسی پارٹیوں کو ختم کر دیا جائے۔ یہ غیر اسلامی فعل اسلام کے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ ۱۹۷۳ء کے آئین کو یکسر منسوخ کر دیا جائے۔ یہ آئین کوئی خدا کا نازل کردہ آئین نہیں ہے جس پر منتخبہ پارلیمنٹ جیسے غیر اسلامی ادارے کے بغیر کسی کو ترمیم و تنسیخ کا اختیار نہ ہو۔

ہم بہ دلائل یہ ثابت کر چکے ہیں کہ شوریٰ سے زیادہ اہم معاملہ امیر کا تقرر ہے۔ امیر اگر شوریٰ کے ذریعے منتخب ہوا ہو تو بہتر ہے ورنہ کسی بھی طریقہ سے کوئی شخص اقتدار حاصل کر لیتا ہے تو اگر وہ اسلامی نظام کا نفاذ کرتا ہے تو وہ امیر برحق ہے۔ اس کی اطاعت واجب و لازم ہے۔ اس کے تقرر کو چیلنج کرنا اور اس کی آئینی حیثیت کو زیر بحث لانا جمہوریت پرستوں کا کام تو ہو سکتا ہے اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

شوریٰ کی تشکیل اور اس کے فرائض

سربراہِ مملکت کے لیے لازم ہے کہ وہ موجودہ پارلیمنٹ کی جگہ اپنے لیے شوریٰ کے ممبروں کا انتخاب کرے۔ اور اس کی صورت بالکل ویسی ہو گی جیسے وہ سپریم کورٹ کے جج اور ہائی کورٹ کے ججوں کے باہم مشورے سے انتخاب کرتا ہے۔ ایسے انتخاب میں مختلف علاقوں کے علمائے حق کے مشورہ اور رائے سے بھی استفادہ کرنا چاہیے۔ مجلس شوریٰ میں مختلف فنون کے ماہرین کی شمولیت بھی ضروری ہے تاکہ انتظامی امور میں مشورہ کے وقت ان کے علم اور تجربہ سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ ایسے مشیروں کی تعداد کا تعین ملکی ضروریات کے پیش نظر جتنی سربراہ مملکت مناسب تصور کرے مقرر کرنی چاہیے۔

صوبائی گورنر اسی طریق پر اپنی الگ مجلس شوریٰ منتخب کر سکتے ہیں۔

اگر سربراہِ مملکت زمانہ کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے مناسب سمجھے تو خواتین کا ایک الگ نمائندہ ادارہ بھی قائم کیا جا سکتا ہے جو ملک بھر کی چند نمائندہ خواتین پر مشتمل ہو اور جس کا اہم فریضہ خواتین سے متعلقہ قانون سازی میں مشورے دینا ہو۔ اس طرح ایک طرف تو خواتین کو ملکی سیاسیات میں عملی طور پر ملوث کر کے اصل ذمہ داریوں سے ان کی توجہ ہٹانے کی ضرورت باقی نہ رہے گی اور دوسری طرف شوریٰ خواتین کے مسائل سے صرف نظر نہ کر سکے گی۔

مجلس شوریٰ کے فرائض یہ ہوں گے :۔

۱۔ جن معاملات میں نص موجود ہے اس میں اگرچہ شوریٰ کوئی ردوبدل نہیں کر سکتی تاہم ان کے لیے ضروری ضروری قواعد و ضوابط مقرر کرے گی۔

۲۔ جن احکام میں کتاب و سنت کے احکام کی ایک سے زیادہ تعبیریں ممکن ہوں۔ ان میں سے اس تعبیر کو قانونی شکل دینا جو کتاب و سنت سے قریب تر ہو۔

۳۔ جن معاملات میں احکام موجود نہ ہوں تو اسلام کے مزاج کے مطابق نئے قوانین وضع کرنا یا پہلے سے موجود فقہی قوانین میں سے کسی ایک کو اختیار کر کے اسے قانونی شکل دینا۔

۴۔ جن معاملات میں قطعاً کوئی اصولی رہنمائی نہ ملتی ہو تو ان کے متعلق شوریٰ مناسب قوانین بنا سکتی ہے بشرطیکہ وہ کسی شرعی حکم یا اصول سے متصادم نہ ہوں۔ اور

۵۔ اگر شوریٰ مناسب سمجھے تو پاکستان کے آئین کو ازسرنو قرآن و سنت کی روشنی میں مرتب کرے۔

مندرجہ بالا دفعات اس بات کی متقاضی ہیں کہ اہل شوریٰ کا صاحب علم و بصیرت اور متقی ہونا اشد ضروری ہے ورنہ ان کے غلط فیصلے شریعت کو مسخ کر سکتے ہیں۔

پھر جس طرح شوریٰ کے ممبران کا عالمِ دین اور متقی ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح انتظامیہ اور عدلیہ کے کلیدی مناصب کے لیے بھی یہ اوصاف ضروری ہیں۔ ان اسامیوں کو کسی غیر مسلم کے حوالے قطعاً نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ جو لوگ اسلامی نظریہ حیات پر ایمان نہیں رکھتے یا اس کے نفاذ میں کوشش نہیں کرتے وہ یقیناً اس کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہوں گے جیسا کہ آج کل ہماری بیوروکریسی کا شیوہ ہے۔ لہٰذا ان کلیدی مناصب کی بتدریج تطہیر اشد ضروری ہے۔ ورنہ شوریٰ کی کارکردگی بھی خوشتر نتائج پیدا نہ کر سکے گی۔

عدلیہ کا دائرۂ کار

نظامِ خلافت میں عدلیہ کا کام قانونِ شریعت کا نفاذ ہے۔ وہ انتظامیہ اور مقننہ کے دباؤ سے آزاد ہوتی ہے۔ گو قاضی القضاۃ اور دیگر قاضیوں کا تقرر امیر کرتا ہے۔ لیکن اس کے بعد امیر کو کوئی حق نہیں کہ وہ عدلیہ کے فیصلوں پر اثر انداز ہو۔ امیر کے خلاف عدالت میں دعویٰ بھی دائر کیا جا سکتا ہے اور اسے ایک عام شہری کی طرح عدالت کی طلبی پر عدالت میں حاضر ہونا اور جوابدہ ہونا پڑتا ہے۔ عدلیہ کی ایسی آزادی کی مثال انسان کے وضع کردہ کسی نظام میں بھی نہیں مل سکتی۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا عدلیہ کو شوریٰ کے کسی طے شدہ قانونی مسئلہ کو اس بنا پر رد کر سکتی ہے کہ وہ قرآن و سنت کے خلاف ہے، خلافت راشدہ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ہمارے خیال میں عدلیہ کو یہ اختیار تو ہو سکتا ہے کہ وہ ایسے قانونی مسئلہ کے خلاف آواز اٹھائے لیکن اسے رد نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس کام کے لیے ایک مستقل ادارہ (شوریٰ) موجود ہے۔ جس کے ارکان علم و تقویٰ کے لحاظ سے عدلیہ کے ارکان سے کسی طرح کم نہیں ہوتے۔

مذہبی تفریق اور اس کا حل

مذہبی فرقوں کی تفریق سے چھٹکارا حاصل کرنے کی واحد صورت یہ ہے کہ اصل ماخذ قرآن و سنت ہی قرار دیا جائے۔ اور فقہ کی تمام کتابوں سے نظائر کی حیثیت سے استفادہ کیا جائے۔ اگر ممکن ہو تو شوریٰ سابقہ تمام کتبِ فقہ کو سامنے رکھ کر موجودہ تقاضوں کے پیشِ نظر نئی فقہ کی تدوین کرے اور جب تک یہ صورت ممکن نہ ہو دو صورتیں اختیار کی جا سکتی ہیں۔

۱۔ عدالتیں پرسنل لا کو ملحوظ رکھ کر مقدمات کے فیصلے کریں۔ فریقین جس فقہ کے پیروکار ہوں اسی کے مطابق ان کے مقدمات و خصومات کا فیصلہ کر دیا کریں۔

۲۔ اور دوسری وہی صورت ہے جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر آئے ہیں کہ ایسے فروعی مسائل جن میں ہر فریق کے پاس ادلہ شرعیہ موجود ہوں (جیسے حنفیہ، شافعیہ کے مختلف فیہ مسائل) ان میں سے کسی ایک جانب کو اگر امیر یا خلیفہ متعین کر کے لوگوں کو اس پر عمل کرنے کا حکم دے تو ان کا فرض ہو گا کہ وہ اس کی اتباع کریں۔ اگرچہ بحیثیت حنفیت یا شافعیت اس کے مذہب کے خلاف ہو۔

اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ فروعی اختلاف کو ہوا دینے والا علمائے سوء کا وہ گروہ ہے جس کا روزگار ان مسائل سے وابستہ ہے۔ اگر علماء اور ائمہ مساجد کی کفالت کی ذمہ داری حکومت

ہے ہے ، جس طرح کہ سعودی عرب میں ہے ۔ تو یہ تفرقہ و انتشار کی فضا بہت حد تک کم کی جا سکتی ہے ۔ بعد ازاں مختلف مذاہب کے مقتدر علما کی مشترکہ مجلسوں میں ان اختلافات کو زیر بحث لا کر اور بھی کم کیا جا سکتا ہے ۔

کتابیات

۱۔ قرآن کریم	تراجم و تفاسیر حسب ضرورت
۲۔ بخاری ، مسلم ، مشکوٰۃ اور دیگر کتب احادیث حسب ضرورت	
۳۔ تاریخ طبری	حافظ ابن جریر طبریؒ
۴۔ البدایہ والنہایہ	حافظ ابن کثیرؒ
۵۔ کتاب الخراج	امام ابو یوسفؒ
۶۔ تاریخ اسلام	اکبر شاہ خاں نجیب آبادیؒ
۷۔ الفاروق	شبلی نعمانیؒ
۸۔ اصول سیاسیات	پروفیسر صفدر رضا
۹۔ تحریک آزادی و دستور پاکستان	فاروق اختر نجیب
۱۰۔ کتاب شہریت	پروفیسر محی الدین
۱۱۔ تعارف مدنیت	پروفیسر محمد امین جاوید
۱۲۔ اسلام میں خلیفہ کا انتخاب	ڈاکٹر محمد یوسف پی ۔ ایچ ۔ ڈی
۱۳۔ خلافت و ملوکیت	ابو الاعلیٰ مودودیؒ
۱۴۔ خلافت و ملوکیت	حافظ صلاح الدین یوسف
۱۵۔ جمہوریت کے تقاضے	ابو الکلام آزادؒ
۱۶۔ اسلام میں مشورہ کی اہمیت	مفتی محمد شفیع ۔ کراچی

المکتبۃ الرحمانیۃ
۹۹۔۔۔ جے ماڈل ٹاؤن ۔ لاہور
نمبر ... 08894